سُورۃُ التّین کے رُموز واَسرار

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے رموز واسرار' جس کے لطائف وعجائبات' جس کے معانی ومطالب ایک بحر بیکراں کے مانند ہیں کہ ہر زمانہ میں متلاشیانِ علم اس بحر کی غواصی کرتے آئے ہیں اور اس کی تہہ سے انمول موتی اور ہیرے جواہرات بقدرِ استطاعت چنتے رہے ہیں۔ ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ جسے جاننے کے لیے اس سورت کی آیات سے مدد ملتی ہے۔ سورت مختصر ہو تو اس کے مضمون کو سمجھنے میں چنداں دقت نہیں ہوتی' اگر طویل ہو تو پہلے اس کے محاور (ذیلی مضامین) کو متعیّن کیا جائے' اور یہ محاوران مجموعہ آیات پر مشتمل ہوں گے جن میں ایک خاص موضوع کو بیان کیا گیا ہو۔ قرآن کے نظم کو اس طرح سمجھنے کے لیے متقدمین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اور متأخرین نے بھی۔ متقدمین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ' احمد بن الزبیر الغرناطی (ساتویں صدی)' برہان الدین البقاعی (نویں صدی)' جلال الدین سیوطی (دسویں صدی) اور دیگر علماء (رحمہم اللہ) کے نام آتے ہیں۔ عصر حاضر میں سید قطب' حمید الدین فراہی' مولانا مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی (رحمہم اللہ) نے اس فن کو اپنی کتبِ تفسیر میں نکھارا ہے۔ معاصرین میں سے میں دو نام لوں گا جن کے ذوقِ تفسیر اور تدبّرِ کتاب کو میں سراہتا ہوں' ان سے میں نے کسب فیض بھی کیا ہے اور انہی کے انداز پر میں نے خود بھی تدبّرِ قرآن کا اہتمام کیا ہے۔ میری مراد ہے: (۱) محترم خلیل الرحمٰن چشتی سے جو ''قرآنی سورتوں کا نظم جلی'' کے مؤلف ہیں اور (۲) کویت کے محترم شیخ عدنان عبدالقادر سے جو اس فن میں چھوٹی بڑی تین چار تصنیفات منظرعام پر لا چکے ہیں۔

میں نے اس مضمون کے لیے سورۃ التین کو چنا ہے' لیکن یہ سلسلہ مضمون باقی سورتوں کو اپنے دامن میں سموتے ہوئے آگے بڑھتا رہے گا' ان شاء اللہ۔ چشتی صاحب کے فکر میں شیخین (مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی) کی جھلک ہے اس لیے میں ان دونوں اساطین علم کا علیحدہ سے تذکرہ نہیں کر رہا۔ اور شیخ عدنان عبدالقادر کی تحریروں میں سے بقاعی اور غرناطی جھانک رہے ہیں' اس لیے میں انہیں عرب مفسرین وعلماء کے فکر ونظر کا شناور جانتے ہوئے متقدمین کے اشارۃً ذکر پر اکتفا کروں گا۔

اب آیئے سورۃ التین کے مرکزی مضمون کی طرف۔ چشتی صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تمام انبیاء کی نقلی تعلیمات میں امکانِ آخرت اور عدلِ آخرت کے دلائل موجود ہیں۔ عقل بھی امکانِ آخرت اور عدلِ آخرت کی حقانیت کو تسلیم کرتی ہے' لہٰذا آخرت پر پختہ ایمان اور یقین ضروری ہے۔ آخرت کے عقیدے کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔''

عدنان عبدالقادر سورتوں کے مقاصد پر مشتمل اپنی کتاب ''اللّمات الحانية فی مقاصد السُّور الغانية'' میں ارشاد فرماتے ہیں' جس کی ترجمانی ان الفاظ سے ادا ہوگی کہ لوگ معادن (کانوں) کی طرح ہیں اور نفوسِ انسانیہ کے کئی رنگ ہیں' جب مصیبتیں پڑتی ہیں تو اُن کے اوپر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ نفوس میں کچھ انجیر کی طرح میٹھے ہوتے ہیں' کچھ زیت زیتون کی مانند صاف اور روشن ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ جو جبل طور کی طرح ثابت قدم رہتے ہیں اور چوتھے وہ جو بلدامین کی طرح امن واطمینان کا گہوارہ ہیں۔ اور جس نفس میں جتنا ایمان ہوگا اور عمل صالح کا حصہ ہوگا اتنا ہی مذکورہ خصلتوں میں سے حصہ ملے گا۔ کچھ کم پائیں گے اور کچھ زیادہ۔ جو زیادہ حصہ پائیں گے وہ ''احسن تقویم'' کے روادار ہوں گے اور جو اس سے تہی دامن ہوں گے وہ ''اسفل سافلین'' میں جگہ پائیں گے اور یہی سورۃ التین کا مقصد ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں' جو لوگ ان میں سے دور جاہلیت میں سب سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہوں گے' اس شرط کے ساتھ کہ وہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں۔''

راقم السطور نے اس سورت کے مرکزی مضمون کے بارے میں یہ سطور قلم بند کیں:

''انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا' لیکن وہ اپنے بداعمال کی بنا پر اتھاہ گہرائیوں میں گرتا چلا جاتا ہے' لیکن اللہ نے اس کے لیے وہاں سے نکلنے کا راستہ رکھا ہے اور وہ تجدید ایمان اور عمل صالح کا راستہ ہے۔''

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:

''سورۃ التین میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اور اس کے بعد کہا گیا کہ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے اور اس کے بعد اسے اسفل سافلین میں دھکیل دیا ہے' سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح سے بہرہ ور ہوتے ہیں''۔ یہاں جن چار چیزوں (انجیر' زیتون' طورِ سینا' بلدامین) کی قسم کھائی گئی ہے انہیں اس بات پر شاہد ٹھہرایا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کی زندگی میں عروج بھی ہے اور زوال بھی' اور زوال سے باہر نکلنے کا راستہ بھی۔''

گویا اس کی زندگی کا گراف انگریزی حرف V کی مانند ہے' یا اگر گراف بنایا جائے تو اس کی شکل ایسے ہوگی:

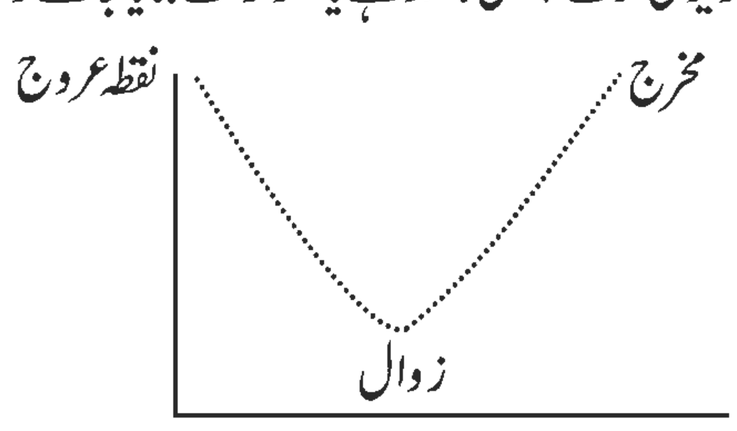

سب سے پہلے انجیر کی قسم کھائی۔ یہاں اشارہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کا کہ جس میں وہ اور ان کی بیوی حوا اپنی برہنگی کو انجیر کے پتوں سے ڈھانکتے نظر آتے ہیں۔ قصہ آدمؑ قرآن میں کئی جگہ بیان ہوا ہے۔ ہم سورۂ طٰہٰ کی آیات کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾﴾

''اور اس سے پیشتر ہم نے آدم سے ایک عہد لیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا ایسا عزم نہ پایا۔''

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے اسے سجدہ کیا' مگر اُس نے حکم نہ مانا۔''

﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾﴾

''لہٰذا ہم نے آدم سے کہا کہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے' یہ خیال رکھنا کہ وہ کہیں تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے' پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔''

﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾﴾

''یہاں تو تمہیں نہ بھوک ستاتی ہے نہ ننگے رہتے ہو۔''

﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾﴾

''نہ پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ۔''

﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾﴾

''پھر شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! میں تمہیں وہ درخت نہ بتاؤں جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے!''

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾﴾

''آخر ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس سے ان کے ستر کے مقامات ایک دوسرے کے آگے کھل گئے تو وہ جنت کے پتوں سے انہیں ڈھانکنے لگے' اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی لہٰذا وہ بھٹک گئے۔''

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾﴾

''پھر ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا' ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت بخشی۔''

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں (یعنی انسان اور شیطان) سب یہاں سے نکل جاؤ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ تکلیف اٹھائے گا۔''

(ترجمہ از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: تیسیر القرآن)

ان آیات سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) حضرت آدم اور حواء (علیہما السلام) جنت کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بھوک' پیاس' گرمی' سردی

کے آزار سے بے پروا زندگی گزار رہے تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو بھول جانے کے سبب شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور اُس درخت کا پھل کھالیا جس کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا تھا۔

(۳) نتیجتاً انہیں لباسِ جنت سے محروم کر دیا گیا اور انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔

(۴) برہنگی کا احساس ہوتے ہی انہوں نے جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنا شروع کیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک جنت کے پتوں سے مراد انجیر کے پتے ہیں' اور اسی تفسیر کی بنا پر انجیر کے ذکر میں قصہ آدم کو لایا جا رہا ہے۔ توریت (تکوین ۳:۷) میں انجیر کے پتوں کا ذکر ہے۔ یہ وہ زوال ہے جس کی طرف ہم نے آغازِ کلام میں اشارہ کیا تھا۔

(۵) نافرمانی اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی خفت اس طرح زائل ہوئی کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ نے صدقِ دل سے توبہ کی' اپنے گناہ کا اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے چن لیا اور پھر اس مقصد کے لیے انہیں اس دنیا میں اُتار دیا' جہاں اس عروج و زوال کی داستان اب بنی آدم سے متعلق ہوگئی کہ جس کی تین اور مثالیں سورۃ التین کی زینت بنیں۔

البتہ جن لوگوں کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور وہ ذلت وخواری کے گڑھے میں گرے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں' ان کے بارے میں مندرجہ بالا آیات کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾﴾

''اور جو میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا' حالانکہ میں (دنیا میں) آنکھوں والا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جس طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئیں تو تو نے انہیں بھلا دیا تھا' اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور جو شخص بھی حد سے بڑھ جائے اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہ لائے ہم اسے اسی طرح سزا دیں گے۔ اور آخرت کا عذاب تو شدید اور باقی رہنے والا ہے۔''

ان چار آیات سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اللہ کے ذکر میں قرآن' نماز' تسبیحات سب داخل ہیں' اور ان سے منہ پھیرنے والے کے لیے دو طرح کی سزائیں بتائی گئیں۔ زندگی تنگ کر دی جائے گی' مال ہوگا لیکن قناعت نہ ہوگی' کثرتِ مال کی بنا پر اتنے بکھیڑے اُٹھ کھڑے ہوں گے کہ جان عذاب میں رہے گی۔

ایک دوسرا مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ برزخ کی زندگی میں تنگی محسوس ہوگی اور اس سے مراد قبر کا بھینچا جانا اور عذابِ قبر ہے۔

دوسری سزا یہ کہ روزِ محشر میں اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا' یہ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' کا مصداق ہوگا۔ دنیا میں حق کو دیکھنے اور پرکھنے کے وقت یہ شخص اندھا بن جاتا تھا اس لیے آخرت میں جب اٹھایا جائے گا تو اندھا ہوگا' تاکہ اسے اس حقیقت کا احساس ہو سکے کہ جس طرح اللہ کی آیات کے ساتھ اس نے اندھے پن کا مظاہرہ کیا ویسے اللہ سے ملاقات کے وقت وہ اندھا کر دیا جائے گا۔ یہ آخرت کے احوال میں سے ایک حالت کا بیان ہوا ہے' بعد میں اس شخص کو آخرت کی ہولناکیاں دیکھنے کے لیے بینا کر دیا جائے گا۔

انجیر کے بعد زیتون کی قسم کھائی ہے۔ جس طرح انجیر کے بیان سے جنت میں ہونے والے ایک خاص واقعے کی یاددہانی مقصود تھی تاکہ اس سے انسان کی فطرت اور پھر فطرت کے بگاڑ سے پیدا ہونے والی ذلت ونکبت کا اظہار ہو سکے اسی طرح زیتون کے ذکر سے دورِ عیسوی میں ان دونوں صورتوں کے اظہار کا ایک واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے۔ زیتون سے مراد کوہِ زیتون ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے کئی دفعہ خطاب کیا۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو: متی باب ۲۱ اور ۲۴' ۲۶۔ لوقا باب ۲۲' مرقس باب ۱۴ اور ۲۲۔

زیتون سے مراد ارضِ فلسطین ہے جہاں زیتون کثرت سے پیدا ہوتا ہے' جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی۔ اناجیل میں کوہِ زیتون کا بھی ذکر ملتا ہے' جہاں حضرت عیسیٰ اکثر وعظ کیا کرتے تھے۔ انجیل متی کے چوتھے باب میں ذکر کیا گیا کہ:

> ''پھر ابلیس حضرت عیسیٰ کو ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور انہیں تمام ممالک اور ان کی رونقیں دکھائیں اور پھر کہا: یہ سب ممالک میں تمہیں عطا کر دوں گا اگر تم زمین پر گر پڑو اور مجھے سجدہ کر لو' اور پھر عیسیٰ مسیحؑ نے کہا: دفع ہوا ے شیطان' کیونکہ یہ لکھا جا چکا ہے کہ تم صرف اپنے رب کو جو تمہارا الٰہ ہے سجدہ کرو گے اور صرف اسی کی عبادت کرو گے۔ پھر ابلیس نے انہیں چھوڑ دیا تو پھر فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی خدمت بجالائے۔'' (آیات ۴۔۱۱)

پانچویں باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ پر جانا اور اپنے شاگردوں سے ایک طویل خطاب کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حکمت ودانائی کی بے شمار باتیں ہیں' جو ساتویں باب تک بیان ہوتی چلی گئی ہیں' چند ایک کا ذکر کرتا ہوں:

☆ تم زمین کا نمک ہو اور اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو پھر (اپنے کھانے میں) نمک کہاں سے لاؤ گے؟'' (۱۲)

☆ ''یہ نہ سمجھو کہ میں ناموس یا انبیاء (کے پیغام) کو توڑنے کے لیے آیا ہوں۔ نہیں! میں توڑنے کے لیے نہیں بلکہ تکمیل کے لیے آیا ہوں'' (۱۷)

☆ تم نے سنا ہوگا کہ پہلوں کو کہا گیا تھا کہ قتل نہ کرو اور جو قتل کرے گا سزا کا مستحق ہوگا' لیکن میں کہتا ہوں کہ جو بھی اپنے بھائی پر ناجائز غصہ کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔'' (۲۱)

☆ تم نے سنا ہوگا کہ پہلوں سے کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرو' لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص بھی کسی عورت کی طرف بنظرِ شہوت دیکھتا ہے تو وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔'' (۲۷)

☆ کہا گیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے طلاق کی تحریر دے' لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص سوائے زنا کے کسی اور سبب سے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے' وہ اس سے زنا کرواتا ہے۔'' (۳۱)

☆ اسی طرح تم نے سنا کہ پہلوں کو کہا گیا تھا کہ بدعہدی نہ کرو' اپنے رب کی قسم کو پورا کرو' لیکن میں کہتا ہوں کہ سرے سے قسم نہ کھاؤ' نہ آسمان کی' نہ زمین کی' نہ یروشلم کی' نہ اپنے سر کی' صرف ہاں کہو یا نہ کہو۔'' (۳۳)

☆ تم نے سنا کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت' لیکن میں کہتا ہوں کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو بلکہ اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر طمانچہ مارے تو بایاں رخسار بھی اس کے آگے کر دو۔ جو آدمی تم سے جھگڑا کرے' اور تمہارا کپڑا چھیننا چاہے تو اپنی چادر بھی اس کے لیے چھوڑ دو۔ جو تمہیں ایک میل تک بیگار میں لے جائے تو اُس کے ساتھ دو میل چلتے جاؤ۔ جو تم سے سوال کرے اسے دو اور جو تم سے قرض مانگے تو اس کو انکار نہ کرو۔'' (۳۸۔۴۲)

☆ تم نے سنا کہ کہا گیا تھا کہ اپنے رشتے دار سے محبت رکھو اور اپنے دشمن سے بغض رکھو۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور جو تم پر لعنت بھیجے تم اس پر برکت کی دعا کرو۔'' (۴۴۔۴۵)

آٹھویں باب کے آخر میں حضرت مسیحؑ کے یہ اقوال منقول ہیں:

☆ ہر وہ شخص جو میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے' میں اُسے اُس شخص کی مانند سمجھتا ہوں جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا' پھر بارش ہوئی' نہریں بہہ پڑیں' آندھیاں چلیں اور اس گھر سے ٹکرائیں' لیکن یہ گھر اپنی جگہ کھڑا رہا' کیونکہ وہ ایک چٹان پر قائم تھا۔

☆ اور ہر وہ شخص جو میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا ہے' میں اُسے اُس جاہل شخص کی مانند سمجھتا ہوں جس نے ریت پر اپنا گھر بنایا' پھر بارش ہوئی' نہریں بہہ پڑیں اور آندھیاں چلیں اور اس گھر سے ٹکرائیں تو وہ بری طرح زمین بوس ہو گیا۔'' (باب ۷' آیات ۲۴۔۲۷)

اب ان تعلیماتِ مسیح کو دیکھئے' جس کی ابتدا توحید سے ہوتی ہے اور پھر اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ فاضلہ کا تذکرہ ہے۔ یہ وہ عروج اور رفعت ہے جو مسیحؑ کی زبان سے اپنی قوم کے لیے ایک پیغام تھا۔ لیکن قوم نے اس کا کیسے جواب دیا؟ سینٹ پال نے ایک قلیل عرصہ میں توحید کے اس پیغام کو تثلیث میں بدل کر رکھ دیا' توحیدِ الٰہی کی جگہ شرک نے لے لی۔ گویا پیروانِ مسیحؑ توحید کے مقامِ عالی سے شرک کی پستیوں میں گرتے چلے گئے۔ اسی بات کو قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴿۳۱﴾﴾ (الحج)

''اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو وہ ایسے ہے جیسے وہ آسمان سے گرے پھر اسے پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اسے کسی دور دراز مقام میں لے جا کے پھینک دے۔''

عروج اور سقوط کے حوالے سے ایک بات تو یہ ہوئی' دوسرے اس بات کی طرف بھی ذہن جاتا ہے کہ تمام پھلوں میں یہاں صرف انجیر اور زیتون کا تذکرہ ہے تو اس میں بھی کوئی حکمت ہے؟ انجیر شروع سے آخر تک حلاوت اور شفافیت کی علامت ہے جبکہ زیتون کی ابتدا تلخ ہے جو عمل اصلاح کے بعد قابلِ استعمال ہونے اور مفید اور مُقوّیٔ غذا بننے کی علامت ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴿۶﴾﴾

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے: انجیر کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے' حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک تھالی انجیر بطور ہدیہ پیش کی گئی' آپ نے اہلِ مجلس سے فرمایا: کھاؤ! اور خود بھی آپؐ نے کھایا اور فرمایا: ''اگر یہ کہوں کہ جنت سے کوئی پھل اترا ہے تو وہ یہی پھل ہوسکتا ہے' کیونکہ جنت کے پھلوں میں گٹھلی نہ ہوگی۔ اسے کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو ختم کرتی ہے اور نقرس (گنٹھیا) میں مفید ہے'' (الدیلمی' ابن السنی' ابونعیم: سند کے اعتبار سے ضعیف حدیث ہے۔)

اس کا گودا عمدہ ہوتا ہے' ذائقہ میٹھا ہے۔ تمام پھلوں سے زیادہ اس میں غذائیت پائی جاتی ہے۔ بدن کو شاداب بناتی ہے' اس کے استعمال سے اعصاب میں قوت آتی ہے (بحوالہ طب نبوی) قبض کو دور کرتی ہے۔ جگر کے لیے مصلح ہے اور خون کی نالیوں میں دوران کو درست کرتی ہے۔ ابن البیطار نے انجیر کو مقوی' دافع قبض قرار دیا ہے۔ ان کی رائے میں انجیر کی ساخت میں دودھ کی شکل کا ایک سیال ہوتا ہے جو طبی طور پر قبض کشا ہے (بحوالہ علاج نبوی اور جدید سائنس)

زیتون کی افادیت کے بارے میں دو صحیح احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روغن زیتون کھاؤ اور اس کو لگاؤ' اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔'' (ترمذی' ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مرفوعاً روایت ہے:

''روغن زیتون کو بطور سالن استعمال کرو اور اس کا روغن لگاؤ۔ اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔'' (ابن ماجہ' مصنف عبدالرزاق)

قرآن مجید میں اسے ''شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَة'' سے یاد کیا گیا ہے۔

ایسے درد جو کسی دوا سے نہ جاتے ہوں (خاص طور پر چوٹ کا درد) اس کے لیے زیتون کے تیل کی مالش بہت مفید ہے۔ (بحوالہ سنت نبوی اور جدید سائنس)

لیکن کیا زیتون انجیر کی مانند درخت سے توڑ کر فوراً کھایا جاسکتا ہے؟ راقم الحروف نہ ہی حکیم ہے اور نہ ہی باغبانی سے شغف رکھتا ہے کہ اسے ان باتوں کا علم ہو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کے موقع پر حرم مسجد اقصیٰ کے احاطے میں زیتون کے درخت دیکھے تو ایک دانہ توڑ کر وفورِ شوق سے منہ میں ڈالا' لیکن اسے اتنا تلخ پایا کہ اگلتے بنی' سوچا: یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے' ہم بازار سے جو زیتون لے کر آتے ہیں اسے تو بہت شوق سے کھاتے ہیں کہ ذائقہ بھلا لگتا ہے۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر مفتی فلسطین شیخ عکرمہ صبری سے کیا تو انہوں نے بتایا کہ درخت سے اترا ہوا زیتون کھانے کے قابل نہیں ہوتا' بلکہ اس میں سرکے' پانی' نمک اور چینی کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ اس کی تلخی دور ہو اور کھانے کے قابل ہو۔ اور یہی اس مبحث میں ہمارا مدعا اور مقصود ہے کہ زیتون اصلاً ایک مفید پھل ہے لیکن جب تک اس کی ''اصلاح'' نہ ہو جائے وہ اتنا ذائقہ نہیں دیتا۔ گویا انجیر فطرتِ انسانی کی حلاوت اور شفافیت کا عنوان ہے تو زیتون اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ اس فطرت میں اگر کجی آ جائے تو پھر وہ قابل اصلاح ہے' یعنی تجدید ایمان اور عمل صالح اسے اپنے اصلی مقام پر دوبارہ لوٹا دیتے ہیں۔ اور یہی

موضوع ہے سورۃ التین کا۔

اگلی قسم ہے: ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲﴾ بمعنی قسم ہے طورِ سیناء کی۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونا اور احکامِ عشرہ عطا کرنا' رفعت اور عروج کی علامت ہے' اور آپ کی غیر حاضری میں سامری کا سونے کا بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کو شرک کی دعوت دینا علامت ہے پستی کے گڑھے میں گرنے کی۔ ہم اس اجمال کی مختصر سی تشریح تورات اور قرآن کی آیات کی روشنی میں بیان کریں گے۔

تورات کی کتاب خروج کے بیسویں باب میں وہ احکامِ عشرہ بیان ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عنایت کیے تھے۔ ان میں سے پہلے تین کا تعلق خالص توحید سے ہے۔

(۱) میں تمہارا معبود رب ہوں جس نے تمہیں مصر کی غلامی کی زندگی سے آزادی عطا کی' میرے سامنے دوسرے دیوتا نہ بنانا۔

(۲) جو کچھ تمہارے اوپر آسمان میں ہے یا تمہارے نیچے زمین میں ہے یا زمین سے بھی نیچے پانی میں ہے اس کی تصویر نہ بنانا اور نہ ہی کسی بت کا ڈھانچہ بنانا۔ نہ انہیں سجدہ کرنا اور نہ ہی ان کی عبادت کرنا۔

(۳) اپنے معبود رب کے نام سے کوئی ناحق بات نہ کہنا' کیونکہ رب اسے معاف نہیں کرتا جو اس کے نام سے ناحق بات کرتا ہے۔

باقی سات اوامر کا تعلق سبت کے احترام' ماں باپ کے اکرام' قتل' زنا' چوری' جھوٹی گواہی سے پرہیز اور اپنے رشتہ دار کی بیوی' غلام' حیوانات اور دیگر مملوکہ چیزوں کی طرف نظر نہ اٹھانے سے متعلق تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات کی یہ دو تختیاں لے کر جبل طور سے نیچے آئے ہیں تو ایک عجیب ماجرا دیکھا۔ آپ چونکہ چالیس دن کی غیر حاضری کے بعد آئے تھے اس لیے بنی اسرائیل کے ایک سرکردہ شخص سامری نے (نہ کہ ہارون علیہ السلام نے جیسا کہ تورات کا بیان ہے) اسرائیلیوں کے سونے کے زیورات جمع کر کے اور پھر انہیں آگ میں تپا کر اور پگھلا کر ایک بچھڑے کی شکل دے دی تھی اور پھر انہیں یہ باور کرایا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا اِلٰہ ہے۔ اور یوں اس موحد قوم کو شرک کی نجاست میں دھکیل دیا۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۸۶ سے لے کر آیت ۹۸ تک یہ قصہ بیان کیا گیا ہے اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ میں اُن لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا ہے جو گوسالہ پرستی کے گناہ میں ملوث رہے تھے۔ اس تفصیل سے ہمارا مدعا ظاہر ہو جاتا ہے کہ انسان حالت توحید میں اَحسن تقویم (بہترین ساخت) کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور اگر وہ شرک میں ملوث ہو جائے تو پھر اسفل سافلین میں جا گرتا ہے' اور اس قعرِ مذلّت سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ایمان کی تجدید کی جائے اور عمل صالح کو اختیار کیا جائے۔

چوتھی قسم بلد امین (یعنی مکہ مکرمہ) کی کھائی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے یہ شہر امن کا گہوارہ بنا اور بلد امین کہلایا۔ (البقرۃ: ۱۲۵)

اب دیکھئے کہ اس گھر کی ابتدا ہی توحید کی آبیاری کے لیے ہوئی:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۶﴾ (آل عمران)

''بلاشبہ سب سے پہلا گھر (عبادت گاہ) جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے' اس گھر کو

برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے اسے مرکز ہدایت بنایا گیا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلی ہدایت ہی توحید الٰہی کے بارے میں تھی:

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾﴾ (الحج)

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے بیت الحرام کی جگہ تجویز کی تھی اور (انہیں کہا تھا کہ) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھنا۔''

اس دعوتِ توحید کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قائم ودائم رکھا اور پھر مرورِ زمانہ سے جزیرۂ عرب کے عربوں کے ہاتھوں اس پاکیزہ گھر کو شرک سے آلودہ کر دیا گیا۔ جہاں ایک اللہ کی عبادت ہوتی تھی وہاں تین سو ساٹھ بتوں نے جگہ لے لی۔ جس گھر کی ابتدا احسن تقویم سے ہوئی تھی وہاں اب اسفل سافلین کا دور دورہ تھا۔ انسانیت کو اس ذلت کی گہرائی سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ایک خصوصی اہتمام کیا۔ گویا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کا ایک بھرپور عملی مظاہرہ نبوتِ محمدی کے دور میں ہونے والا تھا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوتے ہی سارے بت پاش پاش کر دیے گئے اور شرک کی مکمل بیخ کنی کر دی گئی۔ توحید کا پرچم ایک مرتبہ پھر سرزمین مکہ میں لہرایا۔

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سورۃ التین کے مضمون کا بھرپور مظاہرہ چوتھی قسم (وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ) کے حوالہ سے منظر عام پر آیا اور یہ اصل اصول طے پا گیا کہ فطرتِ انسانی کی اعلیٰ معراج توحید ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ توحید سے انحراف اور شرک کا ارتکاب اپنے آپ کو انتہائی پستی میں دھکیلنا ہے کہ جس کا انجام بہت بھیانک ہوگا' لیکن اللہ تعالیٰ نے شرک کی ذلت سے نکلنے کا راستہ بھی دکھا دیا ہے جو تجدیدِ توبہ' تجدیدِ ایمان اور عملِ صالح کا راستہ ہے' اور جو لوگ صدق دل سے اس راستے کو اختیار کر لیتے ہیں ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر وثواب ہے' یہ اجر وثواب جس کا فیصلہ کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس لیے سورت کا اختتام بھی ان کلمات پر ظاہر ہوتا ہے۔

﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿٧﴾﴾

''تو پھر اس کے بعد کون سی چیز تمہیں جزا وسزا سے انکار پر ابھارتی ہے؟''

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨﴾﴾

''کیا اللہ سب حاکموں میں سے سب سے بڑا حاکم نہیں؟''

نوٹ: آیت ''احسن تقویم'' کا اس سورت کے مرکزی مضمون ہونے کا تصور' میں نے ایک اُردنی عالم کے مختصر سے رسالہ میں پڑھا تھا۔ یہ رسالہ تلاش بسیار کے باوجود دوبارہ ہاتھ نہ آیا۔ میں نے اپنی یادداشت سے ان خطوط کو مزید وسعت دی ہے جو مؤلف نے اپنے مضمون میں قلم بند کیے تھے۔ بہرحال اس سورت کے معانی و مفہوم کو سمجھنے کا یہ ایک پہلو ہے' اور وہ دیگر پہلو جن کی طرف مولانا حمید الدین فراہی اور ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اشارہ کیا ہے وہ انتہائی افادیت کے حامل ہیں۔ ❁❁❁